اقبال اور تصوّف

ڈاکٹر رابعہ سرفراز

Dr. Rabia Sarfraz

Assistant Professor, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

Sufism relates with the Truth and the meaning of Sufism is the selfless experiencing and actualization of the Truth. The practice of Sufism is the intention to go towards the Truth, by means Iqbal says that the sufi is one of love and devotion. who is a lover of Truth and by means of love and devotion moves towards the Truth, towards the perfection which all are truly seeking.This article is about Iqbal's concept of sufism. Allama Iqbal was basically a Sufi and Qalandar and had a great concern with sufism.His interest with sufism was inherited and he had great respect and regards for sufis.Iqbal was strongly in the favour of sufism which develops concept of "Khudi" in human beings and forces them for struggle to get their goals.This article discuss different aspects of sufism in the eye of Iqbal.

اقبال کے ذہنی رجحانات کو سمجھنے کے حوالے سے تصوف کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔ تصوف کے بعض سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتے ہیں اور بعض حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جبکہ بعض صوفیوں نے اپنے سلسلے کو رسول کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا عکس قرار دیا ہے۔ ان تمام نظریات میں ایک بات مشترک ہے اور وہ یہ کہ محسوسات اور معقولات کے علاوہ اور ان سے کہیں زیادہ، حقیقت کے ادراک کے کچھ اور ذرائع ہیں جو وجدانی ہیں۔ انسان کے ظاہری حواس کے علاوہ اس کے باطنی حواس اسے بعض ایسے پہلوؤں سے متعارف کراتے ہیں جن تک عقل اور ظاہری حواس کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ تصوف کی بنیاد اللہ کی محبت اور ذاتی معیّت پر ہے۔

تصوف سے اقبال کی دلچسپی انھیں وراثت میں ملی تھی۔انھیں صوفیوں سے عقیدت تھی جو آخری دم تک قائم رہی۔ان کی دو اُردو نظمیں حضرت نظام الدین اولیاؒ سے متعلق ہیں۔انھوں نے اپنی نظم ونثر میں اس تصوف کی مخالفت کی ہے جس کا سرچشمہ قرآن وحدیث نہیں ہے۔

یہ حکمتِ ملکوتی، یہ علمِ لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرُور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خِرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
فروغِ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں(۱)

فکرِ اقبال کا سرسری مطالعہ کرنے والوں نے اقبال کے نظریۂ تصوف کے حوالے سے عجیب وغریب آرا قائم کیں۔اس حوالے سے بحث کا آغاز اس وقت ہُوا جب اقبال نے 'اسرارِ خودی' کے پہلے ایڈیشن میں حافظ شیرازی کے متعلق کچھ ایسے اشعار لکھے تھے جن میں حافظ کے نظریہ حیات پر تنقید کی گئی تھی۔فارسی پڑھنے والوں کے لیے حافظ کا مقام ایک صوفی کے برابر تھا۔لوگ انھیں لسان الغیب کہتے ہوئے اپنی زندگی کے متعلق فال دیوانِ حافظ سے نکالتے تھے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اقبال حافظ سے متاثر نہیں تھے۔حافظ نے تصوف کی گہری اور بلند باتوں کو دلکش اور حکیمانہ انداز میں بیان کیا ہے۔درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''اس حوالے سے اقبال کی رائے یہ تھی کہ چونکہ اس زمانے میں تصوف کے افکار عام تھے اس لیے حافظ نے انھیں نہایت خوبصورتی سے اپنے الفاظ میں سمو دیا۔''(۲)

اقبال کے اس بیان کی روشنی میں کہ بعض اوقات مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حافظ کی روح مجھ میں حلول کر گئی ہے' یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اقبال حافظ سے کس حد تک متاثر تھے لیکن اس کے باوجود اقبال حافظ کو صوفی نہیں سمجھتے تھے۔اقبال کے والد صوفی تھے اور اقبال اپنے والد کے مرید تھے۔انھوں نے ایک صوفیانہ سلسلے (سلسلۂ قادریہ) میں اپنی بیعت کا ذکر بھی کیا ہے۔پروفیسر آل احمد سرُور کی رائے میں:

''اقبال کے نزدیک اخلاص فی العمل احسان اور ولایت کے طور پر تصوف عین اسلام ہے۔انھیں یہ بھی تسلیم ہے کہ جب علما نے قوانینِ اسلام کی ترجمانی میں تنگ نظری سے کام لیا تو بعض صوفیوں نے جو مسلمانوں کے اعلیٰ ترین ذہنی معیا کی نمائندگی کرتے ہیں اس کی مخالف کر کے ایک اچھا اقدام اٹھایا۔''(۳)

اقبال تصوف کے اس زاویہ نگاہ کے مخالف ہیں جس میں رہبانیت کو اہمیت حاصل ہے۔حرکت اور عمل کی بجائے جبر اور انفعالیت کو فوقیت دی جاتی ہے۔طریقت کو شریعت کا مقابل قرار دیا جاتا ہے اور پیر پرستی اور قبر پرستی کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔جہاں نوفلاطونی ،مسیحی ،بدھ اور زرتشتی اثرات کو تصوف کا حصہ بنایا جاتا ہے۔

اقبال اپنے نظریۂ خودی کے مطابق ایسے ہر ایک نظریے کے مخالف ہیں جس سے خودی ضعیف ہو،انسان حرکت اور عمل کی بجائے جمود آشنا ہو اور انسان ترکِ دنیا کی طرف مائل ہو۔وہ دنیا کو فریب نہیں آخرت کی کھیتی قرار دیتے ہیں۔اقبال کو بعض صوفیائے کرام کی اس روش سے بیزاری تھی کہ انھوں نے شریت کے بیشتر احکام کو عشق و مستی کے مقابلے میں ثانوی اہمیت دی تھی اور تجریدی روحانیت اور رہبانیت کے ان راستوں کے مسافر بن گئے تھے جن سے بچنے کی تلقین اسلام نے کی تھی۔اسلام میں حقیقی جہاد کو اہمیت حاصل ہے لیکن بعض صوفیائے کرام نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ شہیدِ عشق غازی سے افضل ہوتا ہے۔اقبال اس نظریہ کے سخت خلاف تھے۔وہ تصوف صحرانوردی اور غارنشینی کے قائل نہیں۔وہ اسے زندگی سے گریز کا بہانہ قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک انسان کی خودی کی پرورش نہایت اہم امر ہے اور اللہ نہیں چاہتا کہ انسان سمیت باقی تمام کائنات اس کے وصال میں گُم ہو جائے۔عشق کا وصف یہ نہیں ہے کہ وہ دل کو بنجر بنا دے۔پروفیسر محمد فرمان کی رائے میں:

''تصوف اور اسلام کی حقیقت کا راز اسی میں مضمر ہے کہ اسلام میں ایک عرصہ گزرنے کے بعد جب اس کے سماجی اور مادی نظریات واضح ہو گئے تو اس میں روحانی ترقی کرنے کے لیے ایک باقاعدہ تحریک عمل میں آتی ہے۔اگر یہ تحریک اپنی پوری شدت کے ساتھ پہلی صدی ہی میں رونما ہوتی تو اس طرح اس تحریک کو تمام تر غیر اسلامی اثرات اور اسلامی مذہب کے خلاف دوسرے مذاہب کا ردِعمل قرار دیا جاتا۔جس طرح انسان بلوغت کے ایک خاص مقام پر پہنچ کر دانائی اور حکمت کی سرزمین میں قدم رکھتا ہے،اسی طرح ایک ملت بھی اپنی نشوونما کے مراحل طے کر لینے کے بعد ہی حکمت اور روحانی کمالات کے ظاہر کرنے کے لیے آمادہ نظر آتی ہے،لیکن اس سے یہ خیال نہیں کر لینا چاہیے کہ صحابہ کرامؓ روحانی کمالات میں کسی سے کم تر تھے۔''(۴)

علامہ اقبال کو اپنا نظریہ حیات غیر معمولی بصیرت کے ساتھ رومی میں نظر آیا۔انھوں نے مظاہر پرستی کے خلاف جہاد کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے عشق کو سرچشمۂ حیات بنایا اور انسانوں میں حقیقی بصیرت پیدا کرنے کی سعی کی۔ وہ اللہ کے عشق کو انسانوں کی محبت کا مظہر قرار دیتے ہیں۔اسلامی تصوف کے حقائق کی جھلک ہمیں نانک، کبیر اور تلسی داس کی تعلیمات میں بھی نظر آتی ہیں۔صوفیائے کرام نے ہمیشہ مسلمانوں میں ایک نئی روح پیدا کی اور زوال کے ادوار میں احیائے اسلام کے راستے تلاش کیے۔ پروفیسر محمد فرمان لکھتے ہیں:

> ''علامہ کا حضرت مجددؒ سے گہرا تعلق باطنی ہے۔کم نظر لوگ یہ دھوکا کھا جاتے ہیں کہ علامہ اپنے والد سے قادری سلسلے میں بیعت رکھتے تھے اور مجدد الف ثانیؒ کا سلسلہ نقشبندی ہے، لہٰذا ان کا تعلق مشتبہ ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جو سلسلوں کی حقیقت اور ان کے باہمی ربط کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔مولانا شاہ ولی اللہؒ نے اس مسئلے پر ہمعات میں تفصیل سے بحث کی ہے کہ ایک سلسلے میں بظاہر منسلک ہونے کے باوجود ایک سالک دوسرے سلسلوں کے شیوخ سے فیض حاصل کرتا رہتا ہے۔''(۵)

صوفی کا حقیقتِ مطلق سے تعلق اسے احساس دلاتا ہے کہ اس کا رشتہ زمانِ متسلسل سے منقطع ہو چکا ہے لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ واقعی زمانِ متسلسل سے کٹ گیا ہے۔صوفیانہ تجربہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس قدر اہم ہے جس طرح دیگر انسانی تجربے۔محض عقل یا حواس سے حاصل شدہ علم ہونے کی وجہ سے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا البتہ صوفیانہ تجربے کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ بسا اوقات شیطان روحانی واردات کے دوران میں خلل انداز ہو کر غلط پیغام کے ذریعے صوفی کو گمراہ کر سکتا ہے۔اس سلسلے میں اقبال نے ولیم جیمز کی کتاب کے ایک اقتباس سے مسیحی تصوف میں اس مسئلے کا ذکر کرنے کے بعد قرآن مجید کی ایک آیت نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

> ''اے محمدؐ! آپ سے پیشتر ہم نے نہ کوئی رسول اور نہ نبی بھیجا ہے۔ جب اُس نے اپنی خواہش کے مطابق کلامِ الٰہی کی تلاوت کی تو شیطان اس میں دخل انداز ہو گیا۔ یوں جو دخل اندازیاں شیطان کرتا ہے اللہ ان کو ختم کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے۔اللہ علیم ہے اور حکیم۔''(۶)

اقبال کے تصورات اور بعض روایتی صوفیانہ افکار میں متعدد حوالوں سے فرق نمایاں ہے۔خودی کی تعلیم کے بعض اہم پہلو بہت سے صوفیائے کرامؒ نے بیان کیے ہیں لیکن ان کے ہاں اس کا استحکام اقبال کے مقابلے میں دھیما ہے۔مسلمانوں کی شاعری کا اہم حصہ متصوفانہ شاعری پر مشتمل ہے۔بعض شعرا تو واقعی صاحبِ دل صوفی ہیں جو ذاتی کیفیات، واردات اور تاثرات کو بیان کرتے ہیں جبکہ

بعض صرف تصوف کے نظریات سے لطف اندوز ہونے کے لیے اپنے اشعار میں اس مضمون کو بیان کرتے ہیں۔ اقبال نے وحدت الوجود کا اعلان کرنے والے منصور کو کبھی بھی گمراہ قرار نہیں دیا بلکہ اس کے 'انا الحق' سے اپنے نظریۂ خودی کو جلا بخشی۔ سوامی رام تیرتھ جو ایک ہمہ اوستی ویدانتی صوفی تھے اور ان کی موت دریا میں ڈوبنے سے واقع ہوئی تھی' اقبال نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بے تاب تو
پہلے گوہر تھا بنا اب گوہرِ نایاب تُو
آہ! کھولا اس ادا سے تو نے رازِ رنگ و بو
مَیں ابھی تک ہوں اسیرِ امتیازِ رنگ و بو
نفیِ ہستی اک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے اِلا اللہ کا(۷)

اقبال قرآن کو زندگی کی تمام بنیادی صداقتوں کی کسوٹی قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے تصوف میں سے وہی چیزیں اخذ کی ہیں جن میں قرآنی نظریۂ حیات کی وسعت اور گہرائی موجود ہے۔ اقبال توحیدِ قرآنی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک انسان صاحبِ اختیار ہستی ہے جسے اسلام نے اپنے افعال پر ایک گونہ قدرت عطا کی ہے اور یہ اختیار ایک امانت ہے۔ قرآن پاک میں دنیا و مافیہا کو فریب نہیں کہا گیا بلکہ ایمان اور عمل سے انسان کی خودی کو استوار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسلام رہبانیت کا مخالف ہے اور عشقِ حقیقی کا تقاضا محض خلوت نہیں بلکہ جلوت بھی ہے۔

اقبال کو رومی سے عقیدت ہے لیکن وہ محی الدین ابنِ عربی کی مخالفت بھی کرتے ہیں جن کی کتاب 'فصوص الحکم' میں انھیں توحید سے زیادہ الحاد نظر آتا ہے۔ وہ مجدد الف ثانیؒ کے تصوف کے قائل ہیں جنھوں نے تصوف کو اسلامی شریعت سے ہم آہنگ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اقبال اس تصوف کو بے اثر سمجھتے ہیں جو حق بینی اور عشق آفرینی کے ذریعے انسانوں کی زندگی میں انقلاب پیدا نہ کر سکے۔

چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں سورج میں تارے میں
بلندی آسمانوں میں زمینوں میں تری پستی
روانی بحر میں افتادگی تیری کنارے میں
جو ہے بیدار انساں میں وہ گہری نیند سوتا ہے
شجر میں پھول میں حیواں میں پتھر میں ستارے میں(۸)

پس اقبال ایسے تصوف کے پرزور حامی ہیں جو افراد کو حرکت اور عمل پر مائل کرتا ہے۔ انھیں پیار' محبت' بھائی چارے اور امن کا پیغام دیتا ہے اور ترکِ دنیا کی بجائے دین اور دنیا کے معاملات کو

ساتھ لے کر چلنے کی تلقین کرتا ہے البتہ ایسے تصوف کے بھرپور مخالف ہیں جو رہبانیت کی جانب راغب کرتا ہے اور خودی کے ضعف کا باعث بنتا ہے۔ اقبال کے نزدیک انسان اپنی عقل کو استعمال میں لاتے ہوئے روحانی تجربات پر تبصرہ و تنقید کر سکتا ہے لیکن کسی شخص کو اس دعویٰ کا حق نہیں ہے کہ اس کی روحانی واردات کی اطاعت ہر کسی کے لیے لازم ہے۔ اقبال نے صوفیانہ واردات کے نفسیاتی پہلوؤں کو سائنسی بنیادوں سے پرکھنے پر زور دیا ہے۔

اقبال صوفیانہ واردات کو انسانی علم کا ایک ذریعہ قرار دیتے ہیں کیونکہ قرآن نے ''عالمِ فطرت'' اور ''عالمِ تاریخ'' کے مطالعے پر بھی زور دیا ہے جس کی مدد سے اسلامی تمدن کی روح کا اظہار ہُوا۔ قرآن میں دن اور رات کے اختلاف، چاند و سورج کی حرکت اور سایوں کے گھٹنے بڑھنے کو حقیقتِ مطلق کی نشانیاں قرار دیا گیا ہے جس پر غور و فکر ہر مسلمان کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں انسان کو زندگی کے مادی حقائق اور عالمِ محسوسات پر بار بار غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ اسی کی بدولت مسلمانوں کو ادراک ہُوا کہ کائنات متحرک ہے اور انھوں نے یونانی فلسفے کے جامد و ساکت نظریات کی مخالفت شروع کر دی کیونکہ یونانی فلسفے کی روشنی میں قرآن مجید کا مطالعہ کرنے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اسی کے نتیجے میں اسلامی تمدن کی حقیقی روح بیدار ہوئی۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۵ء، ص: ۵۴۷

۲۔ رابعہ سرفراز، اقبال آثار، فیصل آباد: قرطاس، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۴۰

۳۔ آل احمد سرور، پروفیسر، دانشورِ اقبال، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص: ۹۶

۴۔ محمد فرمان، پروفیسر، اقبال اور تصوف، لاہور: بزمِ اقبال، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۶

۵۔ ایضاً، ص: ۷۳

۶۔ سورۃ الحج، آیت نمبر ۵۲

۷۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص: ۴۰۔۱۳۹

۸۔ ایضاً، ص: ۱۶۴

☆.....☆.....☆